کتاب نما

آسان ترجمہ اور تفسیر (اول)' زاہد شکیل۔ ناشر: ادارہ قرآن حکیم' پوسٹ بکس نمبر ۵۰۰' لاہور۔ صفحات: ۳۵۷ (بڑی تقطیع)۔ قیمت: ۱۵۵ روپے۔

اردو میں قرآن حکیم کی بیسیوں بلکہ سیکڑوں تفاسیر ملتی ہیں لیکن زیرِ نظر تفسیر کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ ۱۲ سے ۲۰ سال تک کے بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اس کی زبان' انداز بیان اور مثالیں ایسی ہیں جسے بچے اور نوجوان فوراً سمجھ لیں اور انھیں اجنبی محسوس نہ کریں۔ ایسے مسائل نہیں چھیڑے گئے جنھیں بچوں اور نوجوانوں کے لیے سمجھنا مشکل ہو۔

زاہد شکیل صاحب پیشے کے لحاظ سے الیکٹریکل انجینئر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "علم تو ثانوی چیز ہے' بنیادی چیز توفیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے اپنی کتاب کی خدمت کی توفیق بخشی"۔ اس کام میں ان کے مرشد سید علی صاحب نے بھی انھیں حوصلہ دیا اور مشورہ بھی۔ مولف یہ بھی بتاتے ہیں کہ ایک بار انھیں نبی اکرمؐ کی زیارت ہوئی اور میں نے دیکھا کہ آپؐ مجھے قرآن حکیم پڑھا رہے ہیں۔ وہ سورت مریم تھی۔ آغاز کے حروف مقطعات کا جو مطلب نبی اکرمؐ نے بیان فرمایا' وہ میں نے اسی طرح لکھ دیا ہے"۔

مولف نے بلاشبہ خاصے آسان انداز میں مطالب قرآن کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اختلافی فقہی مسائل سے تعرض نہیں کیا' کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ۲۰ سال تک کے قاریوں کے لیے بیشتر فقہی مسائل کو جاننا ضروری نہیں۔ انھوں نے بجا طور پر کہا ہے کہ یہ کتاب کسی خاص مکتب فکر کی نہیں بلکہ ہر مکتب فکر کی ہے (ص ۶)۔ جابجا احادیث نبویؐ کے حوالے بھی دیے ہیں۔ دیباچے میں قرآن حکیم کے موضوعات نزول' ترتیب' متشابہات' قرآن بطور نظام زندگی اور قرآنی قصوں کے مقاصد پر بڑے توازن کے ساتھ ضروری باتیں بیان کر دی ہیں۔

ہر صفحے پر پہلے عربی متن ہے' نیچے اتنے حصے کا ترجمہ اور پھر تفسیری حاشیہ۔ مولف نے یہ کام محنت اور توجہ سے کیا ہے۔ تفسیری حاشیوں میں قرآنی نکات کو دور حاضر کے ملکی اور غیر ملکی' معاشرتی اور معاشی تناظر میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ امت مسلمہ کے بارے میں یہودیوں اور دنیا کی بڑی طاقتوں کے معاندانہ رویوں' اور اس کے ساتھ ہی خود امت کی اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

مولف محترم نے دینی عقائد اور اوامر و نواہی کے بارے میں نہایت صاف اور صحیح ذہن کی عکاسی کی ہے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ بتایا ہے کہ یورپ اور امریکہ سے کھانے پینے کی جو چیزیں آتی ہیں ان میں اکثر ایسی چیزیں شامل ہوتی ہیں جو مردار جانوروں سے حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ مغربی ممالک کے ساختہ چاکلیٹ، ٹافیوں، پنیر، بسکٹ اور ڈبل روٹی وغیرہ کے سلسلے میں احتیاط پر زور دیتے ہیں کہ ان چیزوں کو کھانے سے پہلے لیبل پر درج مشمولات ضرور دیکھ لینے چاہییں۔ احتیاط کی یہ تلقین تقویٰ کی علامت ہے اور قابل تحسین ہے۔

بعض باتیں محل نظر ہیں، مثلاً: وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (اور [رسولؐ] تمھیں وہ باتیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے) کی تشریح میں اس کے دو مفہوم بتائے گئے ہیں۔ ایک تو عمومی مفہوم ہے، یعنی وہ عام تہذیب جسے نبی اکرمؐ نے عربوں کو سکھا کر انھیں مہذب انسان بنایا۔ دوسرا مفہوم: وہ روحانی علوم جو نبی اکرمؐ کے سینہ مبارک سے چلے اور پھر اولیاے کرام اس علم کو، جسے علم لدنی کہا جاتا ہے، لے کر آگے بڑھے۔ تمام صوفیانہ سلسلے مثلاً قادری، چشتی، سہروردی، صابری، وارثی، نقشبندی وغیرہ انھی روحانی علوم سے وجود میں آئے جو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو عطا کیے اور انھوں نے اپنی امت میں آگے بڑھائے اور آج تک جاری ہیں (ص ۱۲۰)۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا قرآن اور حدیث سے الگ کوئی "روحانی علم" یا "علم لدنی" بھی ہے جو رسول اکرمؐ سے (صحابہ کرامؓ کے توسط کے بغیر) براہ راست اولیاے کرام تک پہنچا؟ اور کیا کہیں قرآن و حدیث میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے؟ اور کیا "علم لدنی" کے متذکرہ بالا صوفیانہ سلسلوں کو مختلف نام دینا اور الگ الگ نسبتیں قائم کرنا، وہی فرقہ بندی تو نہیں ہے جس کی مفسر محترم نے دوسرے مقامات پر مذمت کی ہے؟ اسی طرح ایک جگہ انھوں نے اولیاے کرام کے "کشف" کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث میں اس کی گنجایش کہاں سے نکلتی ہے؟ یا صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ایسے "کشف" کی تائید و تحسین یا اس کا کوئی ذکر ملتا ہے؟

مصنف نے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا ترجمہ "نماز صحیح طرح سے ادا کرو" کیا ہے (ص ۹۴) جو ایک مبہم بات ہے۔ خاوند اور بیوی میں جدائی ڈالنے والوں کے ذکر میں (ص ۹۰) یہ مفہوم اخذ کرنا کہ ان کا مقصد دوسروں کی بیویوں کو قابو میں لانا تھا، درست معلوم نہیں ہوتا۔

"آسان ترجمہ اور تفسیر" کی کمپیوٹر کی کتابت کرتے ہوئے اعراب کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ بلاشبہ کمپیوٹر کے ہزار فائدے ہیں اور اس کی برکات بے حد و حساب ہیں مگر یہ بات کہ "کمپیوٹر کی عبارت میں الفاظ کا توازن (symmetry) ہوتا ہے اور دیکھنے میں یہ عبارت خوب صورت لگتی ہے (ص ۱۱) کمپیوٹر سے کچھ زیادہ ہی حسن ظن پر مبنی ہے۔ اسی کتاب کے متعدد صفحات اس حسن ظن کی تکذیب کر رہے ہیں۔